ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

مطبوعاتِ انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مومن کی پہچان

عَنْ مَکْحُوْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ ھَیِّنُوْنَ لَیِّنُوْنَ کَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِیْدَ اِنْقَادَ وَ اِنْ اُنِیْخَ عَلٰی صَخْرَۃٍ اِسْتَنَاخَ

ترجمہ: حضرت مکحولؒ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن مزاج کے نرم اور آسانی سے بات مان لینے والے ہوتے ہیں۔ اس اونٹ کی طرح جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو اور اس سے اس کی ناک دکھ رہی ہو اگر اسے کھینچو تو کھینچتا چلا آئے اور اگر سخت پتھر پر بٹھا دو تو بیٹھ جائے۔

جو شخص اللہ پہ ایمان لایا اور اسے اس امر کا یقین ہو گیا کہ میرا مالک اور کام بنانے والا فقط وہی ہے تو اس کا اثر اس کے خیالات پر اور اس کے برتاؤ کے طریقہ پہ ہونا ضروری ہے۔ ایمان کی سب سے پہلی علامت یہ ظاہر ہوگی کہ بندہ کے مزاج میں ضد اور سختی نہ رہے گی۔ وہ ہر ایک سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا۔ کسی طرف سے خواہ مخواہ بدگمانی نہیں کرے گا۔

اس حدیث میں ایمان والے کی نشانیاں یہ بتائی گئی ہیں کہ وہ کسی سے خواہ مخواہ الجھتا نہیں کیونکہ اس کا دل صاف ہوتا ہے اور اسی لیے جو اس سے کہا جائے وہ اپنی نیک دلی کی وجہ سے ٹھیک ہی جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو کوئی مجھ سے کچھ کہتا ہے اس میں میرا یا کسی کا بھلا ہی ہوگا۔ وہ آسانی سے ہر ایک کی بات مان لیتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو۔ ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جا سکتا ہے کیونکہ اس کی نکیل کو جہاں ذرا سا بھی جھٹکا لگتا ہے۔ اسے جہاں چاہو کھینچ کر لے جاؤ۔ اور ایک اشارہ میں سخت سے سخت جگہ پر بٹھا دو۔ مومن کی طبیعت بھی ایسی ہی نرم ہو جاتی ہے اور وہ ایک اشارے پر ایک کی نیک کام میں مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ غصہ والا اور لڑاکا نہیں ہوتا کہ ہر ایک سے فضول بحث کرنے لگے اور کام سے بچنے کے لیے بہانے ڈھونڈنے لگے۔ اگر کوئی اسے دکھ دے کر معافی مانگ لے تو وہ فوراً اسے معاف کر دیتا ہے۔ کسی کی طرف سے دشمنی اس کے دل میں نہیں ہوتی وہ ہر ایک کو بھی ایسا ہی صاف دل اور نیک نیت سمجھتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود ہوتا ہے۔

آئیے، ہم بھی اللہ کے حکموں کے آگے نکیل والے اونٹ کی طرح مطیع اور تابع فرمان بن جائیں۔ اگر یہ نہیں تو گویا ہم ایک حیوان سے بدتر ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۲ ـــــ شمارہ نمبر ۶

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر

محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارہ تحریر

◎ مولانا محمد اجمل
◎ زاہد الراشدی
◎ [illegible]

بدل اشتراک

سالانہ ۳۵۔۰۰
ششماہی ۱۸۔۰۰
سہ ماہی ۹۔۵۰
[illegible] ۰۔۷۵

کشمیر میں ادغام

ابتدا ہو چکی انتہا . . . .

چند دن پہلے آزاد کشمیر سے یہ اطلاع موصول ہوئی تھی کہ عنقریب آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو پیپلز پارٹی میں ضم کر دیا جائے گا۔ یہ اطلاع دینے والے جناب سردار محمد ابراہیم تھے جو اس وقت کشمیر کے "صدر" اور مسلم کانفرنس کے ختم شدہ دھڑے کے بھی صدر ہیں۔ موصوف نے کہا تھا کہ ایسا کارکنوں کی خواہش پر ہو رہا ہے۔ پھر ایک آدھ دن پہلے یہ اطلاع ملی کہ مسلم کانفرنس نے سردار صاحب کو مکمل اختیار دے دیا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں اور آج وہ ہو گیا جس کا انتظار تھا۔

اس تقریب "عقد" کے سلسلہ میں راولپنڈی میں اجلاس ہوا۔ اس میں سردار صاحب نے بھٹو صاحب کی "سیاسی بصیرت" کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور کہا کہ ان کی پارٹی مسلم کانفرنس اور پی پی پی مقبوضہ کشمیر سمیت سارے کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اپنی جداگانہ حیثیت ختم کرنے کا یہ قدم اٹھایا ہے۔

بھٹو صاحب نے اس فیصلہ کو سراہا۔ اور کہا کہ اب ہم دوست یا ساتھی نہیں رہے بلکہ سگے بھائی بن گئے ہیں۔

ہماری سیاست کا یہ المیہ بڑا واضح ہے کہ ہم لوگ قدم قدم پر بے اصولی کرتے ہیں اور اسے اصول کا نام دیتے ہیں یہی صورتِ حال کشمیر کے مسئلہ میں ایک عرصہ سے نظر آ رہی ہے۔

خطۂ کشمیر ایک عرصہ سے عجیب و غریب صورتِ حال سے دوچار ہے اور ایک عقیدہ، ثقافت، کلچر اور زبان رکھنے والی قوم دو طرفوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اِدھر اُدھر جو لیڈر ہیں ان کی سوچ کا انداز جدا ہے نتیجہ یہ ہے کہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔

اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ آزاد حصہ جو بہت مختصر

حسب سے ہیں کہ ایک پارٹیاں ہیں اور وہ بھی کسی مسئلہ پر متفق نہیں۔

سردار عبدالقیوم ایک ایسے رہنما ہیں جن سے بعض دوائر میں اختلاف کے باوجود ان کے کردار کی بلندی پر انہیں خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ موصوف نے "کشمیر بنے گا پاکستان" کا نعرہ دے کر ایک ہلچل پیدا کر دی تو پاکستان کو دولخت کرنے والی طاقتیں سیخ پا ہو گئیں اور انہوں نے سردار صاحب کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا لیا۔

سردار صاحب کو دھچکا اس دن لگا جب سردار ابراہیم صاحب نے جنہیں سردار عبدالقیوم نے پارٹی سونپ دی تھی جماعتی اصولوں کو چھتا کرکے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ یہ نیا رخ اختیار کرنے کے بعد موصوف کو کشمیر کی صدارت ملی تو ان کے پرانے دوست اور ساتھی بلکہ محسن نظر بند کر دیئے گئے اور ہنوز وہ سلسلہ جاری ہے۔

سردار ابراہیم صاحب نے ایک چھلانگ اور لگائی اور پارٹی کو بھی قربان کر دیا۔

ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ اس سے مسئلہ کشمیر مزید الجھے گا اور کچھ نہیں۔

ہم لوگ اس علاقہ میں پاکستانی جماعتوں کے وجود کے معاملہ میں بھی ایک خاص رائے رکھتے ہیں لیکن اب جب کہ پی پی پی وہاں موجود ہی نہیں برسر اقتدار بھی ہے۔ اور بعض دوسری جماعتیں بھی وہاں ہیں تو اس سے کسی کو فائدہ ہونے کے بجائے نقصان ہی ہوگا۔

بھٹو صاحب پاکستان اسمبلی میں آزاد کشمیر کو "حصہ رسدی" دینے کے سلسلہ میں ایک زمانہ سے سوچ بچار کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں کئی مرتبہ اپنی رائے کا اظہار بھی کر چکے ہیں لیکن بوجوہ وہ تجویز عمل کا روپ نہیں دھار سکی۔

اب جبکہ کشمیر کے ایک لیڈر نہیں بلکہ صدر نے اتنی بڑی قربانی دے دی ہے اور حکومت بھٹو صاحب کے ہاتھ میں ہے تو عنقریب یہ بھی ہو جائے اور ایسا ہو جانا اچھا نہ ہوگا۔

دوستی سے آگے اب "گھے جن" کا دور شروع ہوا ہے تو اسے نظریں سے کہ بھٹو صاحب تعلقات بنانے میں ماہر ہیں تو بگاڑنے میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

اور اس کی مثالیں بڑے بھائی شیخ مجیب الرحمٰن سے لے کر جانشین اول و ثانی مسٹر معراج محمد خان اور مسٹر کھر تک پھیلی ہوئی ہیں۔

ہم کشمیری عوام سے گزارش کریں گے کہ یہ صحیح ہے کہ دنیا آپ کے "حقوق" کے حق میں اکثر و بیشتر آواز اٹھاتی رہتی ہے لیکن سب سے پہلے آپ کا خود منظم و متحد ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر کسی دوسرے کی جدوجہد کیا فائدہ دے گی؟

معلوم یہ ہوتا ہے کہ شملہ معاہدہ کی سیاہی کا جو شملہ کی مناسبت سے یخ بستگی کا شکار تھی موجودہ گرم جوشی میں پگھلنا شروع ہو گئی اور معلوم نہیں اس کی انتہا کہاں ہوگی؟

الحذر، الحذر، الحذر۔

ضروری اعلان

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ناظم عمومی اور متحدہ حزب اختلاف کے پارلیمانی قائد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب زید مجدہم نے ۱۷ جون ۱۹۷۶ء کو پاکستان اسمبلی میں بجٹ پر جو تقریر کی وہ ایک یادگار تقریر ہے۔ ہم نے اپنے خصوصی ذرائع سے اسے حاصل کر لیا ہے اور وہ جماعتی ترجمان ہفت روزہ ترجمان اسلام کی حالیہ اشاعت میں شائع ہو رہی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام لاہور شہر اس یادگار تاریخ کو محفوظ کرنے کے لیے پمفلٹ کی صورت میں چھپوا رہی ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی تقریر بھی ساتھ ہوگی۔

جماعتی شاخیں اپنی ضروریات سے آگاہ کریں۔

علوی، خادم لاہور جمعیۃ

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : ادارہ

اتحاد کی بنیاد — اللہ کی رسی کو بنائیں

شیخ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدھم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

صدق اللہ العلی العظیم ۔

بزرگان محترم ، معزز خواتین ! آج کی معروضات جمعہ کا عنوان ہے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ۔

اصل میں گزشتہ جمعوں سے موضوع سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اقدس کے متعلق چل رہا تھا ۔ لیکن جمعرات کو دور دراز سے جو ساتھی تشریف لاتے ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ مختلف مساجد میں آپس آپس میں لوگ ایک دوسرے سے دست بگریباں اور لڑتے جھگڑتے ہیں اور ایسے مسائل کو ہوا دی جا رہی ہے جن کی وجہ سے عوام کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت ، اشتعال اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے لوگ الجھنا اور ہاتھا پائی شروع کر دیتے ہیں ۔ یہ باہم آپس میں دنگا فساد اور سر پھٹول کی حرکات انتہائی افسوسناک ہیں ۔ اس لیے آج اپنے موضوع سے ہٹ کر اسی بارے میں چند باتیں عرض کرتی ہیں ۔ اور حقیقت میں یہ درد دل ہے ۔ جو میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

انسان کی خلقت کا مقصد

انسان کی خلقت سے پہلے فرشتے اور جنات موجود تھے ۔ لیکن جب اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی خلقت کی غرض بھی ساتھ ہی بتا دی کہ سورج ، چاند ، ستارے ، شجر و حجر ، اونٹ ، بیل ، گھوڑے ، بھیڑیں ، بکریاں ، جمادات ، نباتات ان سب چیزوں کو تو انسان کے نفع کے لیے پیدا کیا ۔ انسان کے لیے اس کو مسخر کیا ۔ اور انسان کے لیے ان کو مطیع بنایا ۔ لیکن خود انسان کو فقط اپنی عبادت کے لیے تخلیق کیا ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آج کل گرمیوں کا موسم ہے ۔ ہم باہر کھلی فضا میں رات کو سوتے ہیں بند کمروں میں نہیں سو سکتے ۔ مکانوں کی چھت پر ہوا اچھی محسوس ہوتی ہے تو وہاں چارپائی ڈال لیتے ہیں ۔ اسی طرح جب سردیوں کا موسم آتا ہے تو ہم کمرے کے تمام سوراخ ، دروازے ، کھڑکیاں بند کر لیتے ہیں موٹے موٹے کپڑے پہنتے اور لحاف اوڑھ کر سوتے ہیں ۔ گویا جو لباس ہم نے گرمیوں کے لیے بنایا اور وضع کیا ہے ہلکا پھلکا اور باریک قسم کا اس کو سردیوں میں استعمال نہیں کر سکتے ۔ اور جو لباس سردیوں کا ہم موٹے کپڑے اور گرم لحاف ہیں ان کو گرمیوں میں استعمال نہیں کر سکتے ۔ یا کرتے کو ہم شلوار کی جگہ اور شلوار کو پگڑی کی جگہ استعمال نہیں کر سکتے ۔ ہم ہر چیز کی وضع اور اس کے بنانے کی غرض کو جانتے ہیں اور اللہ نے جب ہمیں پیدا کیا

تو اس کی غرض بھی ہمیں بتا دی ۔ پوشیدہ نہیں رکھی۔

مقصدِ زندگی سے گریز

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم اپنی بنائی اور وضع کی ہوئی چیزوں کو تو الٹا استعمال نہیں کرتے لیکن اللہ نے ہمیں جس مقصد کے لیے پیدا کیا ۔ ہم اپنے آپ کو الٹے کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں اصل مقصد تو اللہ کی رضا ہے ۔ اس کی عبادت ہے لیکن اس کی عبادت کے بجائے ہم اپنے آپ کو اس کی نافرمانی میں لگائے رکھتے ہیں اور رضا مولا کا خیال ہی دل میں نہیں لاتے ؎

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

حضرت ابوبکرؓ کا ایثار اور قربانی

سیدنا ابوبکر صدیقؓ جن کا ذکر کئی دنوں سے میں بیان کر رہا تھا ۔ انہوں نے تو کافروں کو مسلمان بنایا نہ یہ کہ مسلمانوں کو کافر بناتے رہے ۔ بلالؓ کون ہیں ؟ غلام تھے لیکن مسلمان تھے ۔ ابوبکرؓ نے خریدا اور آزاد کر دیا ۔ صرف غلامی سے نہیں بلکہ ظلم وستم کی چکی میں پسنے سے بھی ۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ جو مسلمان ہیں ہم ان کو کسی طرح کافر بنانے کی فکر میں ہیں اور مسجدوں میں بھی آوازیں سنائی دے رہی ہیں کہ فلاں کافر، فلاں بے ایمان ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہے تو تھا ۔ ورنہ ہم خود کس زمرہ میں شامل ہوں گے ۔

لڑائی جھگڑے کا اصل سبب

اصل وجہ یہ ہے کہ انتخابات جتنے قریب آ رہے ہیں اتنے ہی یہ فتنے پیدا ہو رہے ہیں اور سر اٹھا رہے ہیں اور حکمران جب ان حالات کو جو خود انہوں نے پیدا کئے ہوئے ہیں کہ لوگوں کو لڑا کر دیوبندی بریلوی، اہل حدیث، اور شیعہ سنی کے نام پر اپنا اقتدار مضبوط کیا جائے اور زیادہ دیر تک کرسئ اقتدار پر فائز رہ سکیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک جب بھی اسلام کا حکمرانوں سے مطالبہ کیا جاتا رہا وہ جواب میں لوگوں کو زبانی اسلام کے دعوے سناتے رہے لیکن عملی طور پر اس کو نافذ کرنے سے گریز کرتے رہے اور بہانا یہ بنایا کہ ہم کون سا آئین اور دستور اس ملک میں نافذ کریں، دیوبندی ہو، بریلوی ہو، اہل حدیث ہو، شیعہ کا ہو کس کا ہو ؟

۲۲ اسلامی نکات

لیاقت علی خان نے اپنے دورِ حکومت میں بھی اعتراض علماء پر کیا تھا کہ یہ اسلامی دستور کا مطالبہ تو کرتے ہیں لیکن ان میں خود اختلاف ہے ۔ ہم کس کی بات مانیں ۔ تو علماء نے اسی وقت ہی اس اعتراض کا جواب دے دیا تھا اور وہ جواب ۲۲ اسلامی نکات کی شکل میں آج بھی موجود ہے ۔ جس پر اس وقت کراچی میں ۳۱ مختلف مکتبۂ فکر کے علماء نے دستخط کئے تھے۔ اور یوں لیاقت علی خان کے چیلنج کا جواب اس کے سامنے رکھ دیا ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس نے نہ تو ان نکات کو پیش کیا اور نہ ان پر عمل ہو سکا۔

علماء کے اختلاف کا بہانہ

دنیا میں مختلف نظام ہیں ۔ جمہوریت، سوشلزم، اور کمیونزم ۔ ان میں جو نظام چاہیں گے اس پر ہمارے حکمران عمل شروع کر دیں گے ۔ حالانکہ خود سوشلزم اور کمیونزم کے ماننے والوں کے بھی آپس میں سینکڑوں قسم کے اختلافات موجود ہوتے ہیں ۔ لیکن جب اسلام کی باری آئے گی تو علماء کے اختلاف کو آڑ اور بہانہ بنا کر پس وپیش اور فرار کی راہ اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ خود سیاسی لیڈروں میں کتنے اختلاف موجود ہیں ۔ ابھی یہ معاملہ چل رہا ہے کہ پیر پگارو نے بیان دیا تو بھٹو نے اس کی مخالفت شروع کر دی ۔ اور خود ڈاکٹر مبشر کا بیان آیا تو بھٹو نے اس کی تردید شروع کر دی ۔ یہ اختلافات تو ایک جماعت میں کھلی موجود

ہوتے ہیں۔

علماء احتیاط برتیں

بات صرف اتنی ہے کہ یہ باتیں ایک دوسرے کو کافر، بے ایمان کہنے والی مسجدوں میں نہیں ہونی چاہئیں۔ اور مسجدوں میں کافر بے ایمان اور اس قسم کے دوسرے القابات سے جب ہم دوسروں کو نوازتے ہیں تو یہ حقیقت ہے کہ جن پر یہ القابات چسپاں کئے جاتے ہیں۔ وہ ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی یا مرزائی اور دوسرے کفار کے گروہوں کا تذکرہ نہیں ہوتا بلکہ آپس میں جو مسلمان ہیں انہی کو ہم کافر بنانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہوتے ہیں۔

ایک فسادآنی واقعہ

مجھے یاد پڑتا ہے چار سال قبل مزنگ میں ایک نکاح کی تقریب میں شریک ہوا تو ایک مسجد قریب ہی تھی۔ وہاں نماز پڑھی۔ نماز میں ایک شخص نے اونچی آواز سے آمین کہہ دی۔ بس پھر کیا تھا ادھر مولوی صاحب نے سلام پھیرا ادھر اہل حدیث دوست کے گرد اکھٹے ہو گئے کہ جب ہم نے باہر لکھ کے یہ لگا دیا ہے کہ مسجد میں "وہابی" نہیں گھس سکتے۔ ان کا داخلہ ممنوع ہوا تو پھر تو کیوں داخل ہوا۔

اندازہ لگایئے جب حالات کا دھارا یوں رہا ہو تو اسلام پھر ہمارے ہاتھوں رسوا ہوا یا کفار کے ہاتھوں۔ یہ تو ہوتا ہے کہ مسجد میں لکھ کر لگا دیتے ہیں۔ یہاں ہر شخص نماز پڑھ سکتا ہے لیکن مسجد کے متولی اور منتظمہ کی اجازت کے بغیر مسجد کے انتظام میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ وبا جو اب شر پسند قسم کے لوگ پھیلا رہے اور اس کو ہوا دے رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہابی کتے اس مسجد میں داخل نہ ہوں۔ وہابی بلا یا وہابی کتا داخل ہوا تو مسجد نجس اور ناپاک ہو جائے گی۔ اس قسم کی مغلظ گالیاں اور بکواسات سے دین کی کون سی خدمت کی جاتی ہے۔ میں نے ان مولوی صاحب سے پوچھا۔ کیا آپ حضرات آمین نہیں پڑھتے؟ کہنے لگے پڑھتے ہیں لیکن اس نے اونچی آواز سے کیوں پڑھی؟ آج ہمارے نام نہاد علماء کے یہ اخلاق ہیں۔ جن کے اخلاق سے کافر مسلمان ہونا تو دور کی بات ہے، خود مسلمان بھی دین سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اب کون سی ایسی بات تھی جو اس نے آمین اونچی کہہ دی۔ کفر تھوڑا تھا آمین اونچا کہنا۔ خود آئمہ کا اس میں اختلاف چلا رہا ہے۔

میرے بہنوئی مولانا عبدالمجید صاحب اہل حدیث تھے لیکن مولانا داؤد غزنوی رح کی طرح بڑے ہی روشن دماغ اور خوش اخلاق تھے۔ یہاں تشریف لاتے تو نماز بھی پڑھاتے لیکن موقعہ آ جاتا رفع یدین چھوڑ دیتے۔ ان کے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ کہ کسی نے اونچی آمین کہی تو مولوی صاحب نے اودھم مچا دیا۔ کہ کس کتے نے اونچی آمین کہی ہے۔ مولانا عبدالمجید صاحب فرماتے مجھ سے بھی کسی نے پوچھ لیا۔ مولوی صاحب! آپ نے آمین اونچی کہی ہے یا آہستہ؟ کہنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں نے خود تو آمین آہستہ کہی ہے۔ لیکن اگر آمین اونچی کہنے سے انسان کتا بننے لگے تو میں اگر اونچی آمین کہوں گا تو بڑا کتا اور تم چھوٹے کتے بن جاؤ گے کیونکہ تم بھی تو آہستہ آمین کہتے ہو کتے تو پھر دونوں بن گئے۔ فرق کیا رہا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ ہم ایک دوسرے کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر کافر، بے ایمان، بے دین کتے اور بلے کہنا شروع کر دیں تو یہ کون سے ضابطہ اخلاق کے تحت ہو گا۔

اسلامی نظام سے گریز

۲۹ برس ہونے کو آئے اس ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکا۔ اس میں ہمارا بھی قصور اور جرم یہ ہے کہ حکمران ہمارے انہی اختلافات اور افتراق کی باتوں کو آڑ بنا کر اسلامی نظام کے نفاذ سے چشم پوشی کرتے ہیں ہم نے خود ایک

مضبوط ہتھیار ان کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

مسجد کا حقیقی مقام

یہ بات کتنے افسوس کی ہے کہ مسجدیں جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں ان کو لڑائی کے لیے اکھاڑہ بنا لیا جاتا ہے۔ اگر لڑنا اور کشتی کرنا ہے تو مسجدوں کو ان چیزوں سے پاک رکھیں باہر جہاں چاہیں محمد علی کلے کی طرح اکھاڑے میں اتریں اور جتنا چاہیں ٹکٹ لگا دیں لیکن مسجدوں میں شور و غل پیدا کر کے لوگوں کو عبادت اور نماز میں خلل نہ ڈالیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکین عرب آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو تنگ کرتے۔ جب نماز کا وقت آتا شور و غل مچا دیتے۔ خصوصاً دن کو اپنے بچوں کو اکٹھا کر کے جب مسلمان نماز شروع کرتے تو خوب غل غپاڑہ کی فضا قائم ہو جاتی۔ چونکہ تمام نمازیں پہلے جہری قرأت سے پڑھی جاتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا۔ کہ ظہر اور عصر کی نمازیں سرّی قرأت کے ساتھ ادا کی جائیں۔ مشرکین کے شور اور غل غپاڑہ سے محفوظ رہنے کے لیے دو نمازیں جن میں سرّی قرأت کا اس وقت اس وقت حکم ہوا تھا آج تک یونہی چلی آ رہی ہیں۔ البتہ جمعہ کی فرضیت مدینہ جا کر ہوئی اور اس وقت مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس لیے وہاں جمعہ کی نماز میں جہری قرأت کا حکم ہوا۔

تو غرض یہ کہہ رہا تھا کہ ہماری آپس کی لڑائی سے نقصان اپنا ہی ہو رہا ہے نہ کہ غیروں کا۔ اگر تھوڑی تھوڑی سی بات پر ہم ایک دوسرے سے الجھتے اور ایک دوسرے کے گریبان سے کھیلتے رہے تو سوائے جگ ہنسائی کے اور کیا حاصل ہوگا۔

حضرت صدیقؓ کا ایک واقعہ

سیدنا صدیق اکبرؓ کا ہی واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ سے کچھ ناراضگی ہو گئی بعد میں ابوبکر صدیقؓ نے سوچا غلطی تو میری ہے۔ خواہ مخواہ میں عمرؓ پر ناراض ہوتا رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ غلطی میری تھی۔ مجھے معاف کر دو۔ انہوں نے کہا کہ معاف نہیں کرتا۔ بڑی منت سماجت کی بالآخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے غلطی ہوئی لیکن عمر فاروقؓ مجھے معاف نہیں کرتے۔ باوجود اس کے کہ میں نے معافی بھی مانگی تو تم اس کو معاف کر دیتے۔ باوجود اس کے کہ میں نے معافی بھی مانگی۔ آپ میری سفارش فرمائیں۔ حضرت عمرؓ حاضر خدمت ہوئے تو حضورؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ سرخ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ عمر تمہیں چاہیے تھا کہ تم سے جب صدیق اکبرؓ نے معافی مانگی تو تم اس کو معاف کر دیتے۔ تمہیں نہیں معلوم نہیں صدیق اکبرؓ کون ہے؟ یہ وہ شخص ہے کہ جب تم سب نے میری تکذیب کی تھی اس وقت صدیق اکبرؓ نے میری تصدیق اور تائید کی تھی۔ حضورؐ کو غصے میں دیکھ کر بار بار ابوبکر صدیقؓ یہی بات عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ عمرؓ کو کچھ نہ کہیں غلطی میری ہی تھی۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ بات پتہ دیتی ہے کہ اگر ایک انسان سے غلطی ہو جائے۔ کسی کو برا کہا ہو تو اس کو فوراً اپنی غلطی کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور ساتھ ہی اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر معافی بھی مانگنی چاہیے اور تیسری بات یہ پتہ چلی کہ جب ایک آدمی معافی مانگ لے تو اس کو معاف کر دینا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ صلح کے بعد اسی طرح دل میں کینہ، حسد، بغض، رنجش اور عداوت رکھتا ہو۔

دو عملی چھوڑ دیں

آج ہم صحابہ کرامؓ کا نام تو لیتے ہیں، ان کے کارنامے تو بیان کرتے ہیں، ان کی شان میں

(باقی صـ ۱۶ پر)

حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر والوں کی خوراک

حاجی کمال الدین جامعہ اسلامیہ شالامار ٹاؤن لاہور

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اور حضورؐ کے گھر والوں نے دو دن لگاتار جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حضرت ابو امامہ باہلیؓ بھی فرماتی ہیں کہ حضورؐ اور حضورؐ کے اہل و عیال کو جو کی روٹی بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور حضورؐ کے گھر والوں پر کئی کئی راتیں ایسی گزرتی تھیں کہ انہیں رات کو کھانے کیلئے کچھ نہیں ملتا تھا اور ان کی روٹی بھی جو کی ہوتی تھی۔

حضرت سہیل بن سعدؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ نے کبھی میدے کی روٹی بھی کھائی ہے۔ فرمایا روٹی کھانا تو درکنار حضورؐ نے تو میدے کی روٹی کبھی دیکھی بھی نہیں۔ اسی حالت میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ حضورؐ کے زمانے میں آپ لوگوں کے پاس چھلنیاں کیسی ہوتی تھیں فرمایا کہ بس پھونکیں مار مار کر تھوڑے سے بہت تنکے اور بورا اڑا دیتے تھے اور پھر اس کو گوندھ لیتے تھے۔

اب ہم اپنی حالت پر غور کریں کہ بغیر چھنی جو کی روٹی کھانا تو بڑے مجاہدہ کا کام ہے ہم تو گیہوں کی روٹی بھی بغیر چھنی نہیں کھا سکتے۔ اس سے حضورؐ کے صبر و شکر کا اندازہ لگائیں کہ وہ اس طرح بھوکے پیاسے رہ کر بھی اللہ پاک کے کتنے شکر گزار تھے۔ وہ دو دو تین تین دن بعد جب جو کی روٹی اور وہ بھی ناکافی کھانے کو مل جاتی تھی تو خدائے عزوجل کی بارگاہ میں دعائیں پڑھتے پڑھتے نہیں تھکتے تھے۔ ایک ہم ہیں کہ زردہ، پلاؤ، اور قورمہ اور قیمہ قسم کے لذیذ کھانے ملیں تو پھر بھی کلمۂ شکر ہماری زبان پہ نہ آئے۔ بلکہ اور اپنے پروردگار کے گلے شکوے کریں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنا شکر گزار بندہ بنائے۔ آمین

حضرت مسروق تابعیؒ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ اور فرمانے لگیں کہ میں جب کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں تو میرا بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے پوچھا کیوں۔ فرمایا مجھے تنگی کی وہ حالت یاد آ جاتی ہے جس پر حضورؐ نے اس دنیا سے کوچ فرمایا خدا کی قسم حضورؐ نے کبھی بھی ایک دن میں دو دفعہ روٹی یا گوشت پیٹ بھر کر نہیں کھایا

آج ہم لوگ صبح کو تو ناشتہ کرتے ہیں، دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں اور بعض بعض تو بعد از دوپہر بھی چائے پیتے ہیں اور شام کو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ وہی خوشحالی اور فارغ البالی کا دور ہے جس کی بابت حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہارے لئے دنیا کے دروازے کھول دیئے جائیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کھولے گئے تھے۔ اور تم دنیا کے مال و دولت پر ایسے ہی ٹوٹ پڑو جیسے تم سے پہلی امتیں ٹوٹ پڑی تھیں اور وہ تمہیں بھی ویسے ہی غافل کر دے جیسے ان لوگوں کو کر دیا تھا۔ کیونکہ اوچھا، کمینہ، کم ظرف۔ اور تنگ معدہ آدمی زیادہ طاقت والی خوراک کو ہضم نہیں کر سکتا اسی طرح یہ لوگ مال و دولت اور روپے پیسے کی کثرت میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکیں گے جس طرح ایک چھوٹے سے برتن میں زیادہ پانی ڈال دینے کی وجہ سے وہ اُبلنے لگ جاتا ہے اسی طرح کم ظرف لوگ کثرتِ مال کی وجہ سے مست ہو کر خدا تعالےٰ کی شکر گزاری تو درکنار بلکہ ڈر ہے کہ وہ اپنے خدا ہی کو بھول جائیں چنانچہ دیکھ لیجئے مسلمانوں کی حالت سب کے سامنے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جہاں ذرا پیٹ بھر کر روٹی ملنے لگی نماز روزہ چھوڑ کر عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے اور شکل و صورت اور لباس و پوشاک اور رہن سہن میں دشمنانِ خدا و رسولؐ کے طور طریقوں کو اختیار کر کے فخر سمجھتا ہے۔ خدا اور خدا کے بندوں کے حقوق کی اسے مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کے دن پارٹیوں میں اور راتیں بائیسکوپوں، تھیٹروں، سینماؤں

اور کلبوں میں گزرنے لگ جاتی ہیں۔ خدا سے دور اور شیطان کے قریب ہو جاتا ہے، اسی لئے تو حضورؐ نے اپنے نام لیواؤں کے لئے کثرت مال کو سب سے زیادہ خطرناک فرمایا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے ہمارے اسلاف اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ کر بھوکے پیاسے رہ کر اللہ کے حکم کو بلند کرنے کی خاطر ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے گئے ہیں کہ آج ہمیں ان پر یقین کرنا دوبھر ہو گیا ہے اور ہماری نئی نسل تو ان کو افسانوں سے زیادہ کہنے کے لئے تیار نہیں۔ یاد رہے کہ جتنی نعمتیں بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوں گی ان سب کے بارے میں حساب لیا جائے گا چنانچہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اور امام مالکؒ نے اس کو روایت کیا کہ حضورؐ ایک دن مسجد میں تشریف لائے اتفاق سے وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی موجود تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کیسے آئے ہو عرض کیا یا رسول اللہ بھوک سے تنگ آ کر گھروں سے نکل آئے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی بھوک ہی نکال لائی ہے، چلو تیہان انصاریؓ کے گھر چلیں۔ جب تینوں حضرات ان کے گھر پہنچ گئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی جو وغیرہ کا آٹا ہو تو پکا لو۔ وہ اٹھ کر بکری ذبح کرنے کے لئے جانے لگے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھنا دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا، عرض کیا نہیں حضورؐ ایسی نہیں ہے۔ اس نے بکری ذبح کی میٹھے پانی کا مشکیزہ لے آئے، جب کھانا تیار ہو گیا تو لے کر آ گئے، سب حضرات نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا آج جو نعمتیں تم لوگوں نے کھائی ہیں ان کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔

اب ذرا خیال فرمایئے کہ حضورؐ کو اور صحابہ کرام کو آخرت کے حساب کتاب کا کتنا فکر رہتا تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر چونک جاتے تھے اور رونے لگتے تھے۔ ہمارے زمانہ کے لحاظ سے ان بیچاروں نے ایسی کونسی نعمتیں کھائیں جو کی روٹی، مشکیزے کا پانی اور بکری کا شوربا، اور یہ بھی نامعلوم کہ ان صابرین حضرات کو یہ نعمتیں کتنے عرصے کے بعد میسر آئی ہوں گی۔ اور وہ بھی اپنے گھر سے نہیں بلکہ اللہ پاک نے اتفاقاً ان کا انتظام کر دیا تھا اسی کو جتلانے کے لئے حضورؐ نے فرمایا کہ تم سے ان نعمتوں کا ضرور حساب لیا جائے گا۔ ایک ہم ہیں کہ ہر روز قسما قسم کے مرغن، لذیذ اور اعلیٰ قسم کے کھانے، رنگ برنگ کے شربت دودھ جوس اور سوڈا واٹر، اور نئے سے نیا لباس اعلیٰ کوالٹی کا، رہنے کے لئے بنگلے اور کوٹھیاں اور سواری کے لئے سکوٹر اور کاریں مہیا ہیں مگر اس کے باوجود ہمیں محاسبۂ آخرت کا ذرا بھی خیال نہیں، سخت رنج و افسوس ہے کہ ہمارے دل مردہ ہو گئے ہیں، آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں، خوفِ خدا دل سے جاتا رہا۔ دنیوی دولت و عزت، عیش و عشرت اور راحت و آرام میں ایسے مست ہو گئے کہ آخرت کی سدا بہار نعمتوں کو بھلا بیٹھے۔ اللہ کے بندو! اس آنی اور فانی کے بدلے اس باقی اور پائدار کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اور حضورؐ کے گھر والوں پر مہینہ مہینہ بھر اس طرح گزر جاتا تھا کہ ہم چولھے میں آگ جلا کر نہیں دیکھتے تھے۔ صرف پانی اور کھجور پر گزر اوقات ہوتی تھی، نہ پکانے کو ہوتا نہ آگ جلتی۔

حضرت عائشہؓ ہی بیان فرماتی ہیں کہ ہم اہل بیتِ رسولؐ پر پورا مہینہ اس طرح گزر جاتا تھا کہ ہمارے گھروں سے دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ ابو سلمہ نے پوچھا تو پھر تمہاری زندگی کیسے باقی رہتی تھی۔ فرمایا بس پانی اور کھجور پر۔ ہاں ایسا ضرور ہوتا تھا کہ ہمارے ہمسائے میں کچھ انصاری گھرانے تھے جو بڑے ہمدرد اور سچے پڑوسی تھے وہ کبھی کبھی حضورؐ کے لئے اپنی بکریوں کا دودھ بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضورؐ کو دن کے وقت بھوک کی بے قراری سے پہلو بدلتے دیکھا ہے۔ آپ کو ردی قسم کی کھجوریں بھی اتنی نہیں ملتی تھیں۔ کہ پیٹ بھر سکے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو کئی دفعہ یہ کہتے سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اہل بیت رسول نے کبھی اس حالت میں صبح نہیں کی کہ غلے یا کھجوروں کا ایک صاع بھی ان کے پاس موجود ہو۔ حالانکہ اس وقت آپ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب سے آپ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں محمدؐ کے گھر والوں نے مسلسل تین راتیں بھی گندم کی روٹی سے پیٹ بھر کر نہیں دیکھا۔ حضورؐ کی وفات تک یہی حالت رہی۔

حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا بھی دکھایا اس پر حضورؐ نے بھی اپنے پیٹ مبارک کو دکھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ کسی شاعر نے حضورؐ کی یہ حالت دیکھ کر کیا خوب لکھا ہے۔ اے وہ ذات جو جو کی روٹی سے بھی شکم سیر نہ ہوئی۔ اور اے وہ ہستی جس نے تخت کے مقابلہ میں چٹائی کو پسند کیا اے وہ شخصیت جو ساری ساری رات سویا نہ کرتی تھی، رب دوزخ کے عذاب کے خوف سے۔

یہاں تک تو تھا حضورؐ اور حضورؐ کے گھر والوں کی گزران کا حال اب تھوڑا سا حال صحابۂ کرام کا بھی سُن لیجئے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ کو زمین سے چپکا لیتا تھا اور بھوک ہی کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا ایک دن میں لوگوں کے اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ مسجد سے واپسی پر گزر کر گھروں کو واپس جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو میں قرآنِ پاک کی ایک آیت کی تفسیر پوچھنے لگا۔ میں نے صرف اس لئے یہ سوالیہ شکل بنائی تھی کہ جب سوال و جواب کرتے ان کے گھر تک پہنچ جائیں گے تو وہ مجھے کچھ کھلائے پلائے بغیر آنے نہیں دیں گے لیکن وہ تو اس طرح گزر گئے کہ میری امید بر نہ آئی۔ پھر حضرت عمرؓ گزرے میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا۔ لیکن وہ بھی گزر گئے اور مجھے کھانا نہ کھلایا۔ آخیر میں حضرت ابوالقاسم محمدؐ کا گزر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر تبسّم فرمایا اور میرے چہرے سے میری مرضی بھانپ گئے۔ آپؐ نے فرمایا اباہرؓ۔ میں نے عرض کیا کب تک یا رسول اللہ۔ فرمایا میرے پیچھے آجاؤ۔ میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپؐ اپنے گھر میں داخل ہو گئے اور مجھے بھی اجازت مل گئی آپ نے دیکھا گھر میں ایک دودھ کا پیالہ رکھا ہے۔ پوچھا کہاں سے آیا ہے۔ بتلایا کہ فلاں گھر سے آپ کے لئے ہدیہ آیا ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ جاؤ اہلِ صُفّہ کو بلا لاؤ۔ اہلِ صُفّہ اللہ کے مہمان تھے ان کا گھر بار تو کوئی نہ تھا بس حضورؐ کی صحبت مبارکہ میں رہ کر علم دین سیکھنا ان کا مشغلہ تھا۔ جب حضورؐ کے پاس کوئی صدقہ کی چیز آجاتی تو ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے۔ اور جب آپؐ کے پاس ہدیہ آتا تو انہیں بلا لیتے، خود بھی نوش فرماتے اور انہیں بھی شریک کرتے۔ اس وقت ان کا بلانا مجھے بُرا ناگوار گزرا۔ میں نے سوچا کہ یہ دودھ تو ذرا سا ہے اور حضورؐ نے تمام اہلِ صُفّہ کو بلا لیا ہے اس کا تو میں ہی زیادہ حقدار تھا کہ اس کے چند گھونٹ پی کر کچھ طاقت حاصل کرتا۔ جب اہلِ صفہ تشریف لے آئے تو حضورؐ نے سب کو دودھ پلانے کی خدمت میرے ہی سپرد کر دی اور مجھے قطعی امید نہ تھی کہ ان کو پلانے کے بعد میرے لئے بھی بچ جائے گا۔ اب کیونکہ حضورؐ کا حکم تھا۔ میں نے باری باری سب کو پلانا شروع کر دیا حتّٰی کہ وہ سب کے سب سیر ہو گئے۔ اب حضورؐ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ اے اباہرؓ اب تو میں اور تو ہی رہ گئے ہیں۔ فرمایا۔ اچھا تو اب تم بھی پیو۔ میں نے اتنا ڈٹ کر پیا کہ اور پینے کی پیٹ میں بالکل بھی گنجائش نہ رہی۔ حضورؐ کا اصرار یہ کہ اور پیو۔ مگر میں مجبور کہ دودھ اب کہاں ڈالوں۔ میں تو بالکل ہی سیر ہو گیا، فرمایا اچھا۔ لا پیالہ مجھے دے، پھر حضورؐ نے بقیہ دودھ الحمدللہ اور بسم اللہ پڑھ کر نوش فرما لیا۔ اس حدیث پاک سے ہمیں کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) اصحاب صُفّہ کی گزران میں سخت تنگی کے علاوہ یہ کہ (۲) پلانے والے کو چاہیئے کہ سب کو پلا کر آخر میں خود پئے (۳) میزبان پلانے والے کے بھی بعد میں پئے (۴) بیٹھ کر پئے (۵) بسم اللہ الحمد اللہ پڑھ کر پئے (۶) قوم کے امیر کو اپنی ضرورت پر قوم کی ضرورت کو ترجیح دینی چاہیئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر اندازی کی۔ ہماری حالت یہ تھی کہ ہم جہاد کیا کرتے تھے اور ہمارے پاس کیکر کے پتوں کے سوا کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا ہم کانٹے دار جھاڑیوں کے پتے کھا کر بکریوں کی طرح مینگنیاں کیا کرتے تھے۔

خالد بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن غزوان کو ممبر پر خطبہ دیتے سنا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ حضورؐ کے ساتھیوں میں میں ساتواں شخص تھا کہ ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا سوائے درخت کے پتوں کے اور یہ پتے کھاتے کھاتے ہمارے منہ چھل گئے۔

یحیٰی بن سعیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ گھی کے ساتھ لگا کر روٹی کھا رہے ہیں۔ آپ نے ایک جنگلی بدو کو بلا کر اپنے ساتھ شریک کر لیا، جب وہ کھانے لگا تو پلیٹ پر لگی ہوئی چکناہٹ کو لقمہ کے ساتھ رگڑ رگڑ کر اتارنے لگا، حضرت نے اس سے پوچھا کہ معلوم ہوتا ہے تجھے ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی ملتی ہے اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے گھی کبھی نہیں کھایا اور نہ سالہا سال سے کسی کو گھی کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے دیکھا ہے حضرت عمرؓ نے اس کی باتوں سے متاثر ہو کر فرمایا میں بھی اس وقت تک گھی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ بارش ہو کر قحط سالی دُور نہیں ہو جاتی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ کو کھجوروں کا ایک صاع ملتا تھا۔ آپ اسے کھاتے تھے یہاں تک کہ اس کی ردی اور سوکھی ہوئی کھجوریں بھی نہیں چھوڑتے تھے حالانکہ آپ امیر المومنین بھی بن چکے تھے۔

حضورؐ اور حضورؐ کے اصحابِ کرام کی غربت اور تنگدستی کے یہ

(باقی صـــ پر)

حضرت امام غزالیؒ

حافظ مشتاق احمد حلیمی ایم، اے

ولادت

آپ کا نام محمد، لقب حجۃ الاسلام، کنیت ابو حامد اور عرف امام غزالی ہے۔ باپ کا نام محمد اور دادا کا نام احمد ہے۔ آپ خراسان کے شہر طاہران میں ۴۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے آپ کے والد صاحب رشتہ فروش تھے۔ غزل کے معنی ہیں کاتنا۔ عربی زبان میں جو نسبت کا قاعدہ ہے اس کی رو سے غزالی ہی کافی تھا۔ لیکن خوارزم اور جرجان میں نسبت کا یہ طریقہ ہے کہ ی کا اضافہ ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ عطار کو عطاری اور قصار کو قصاری کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے آپؒ کا خاندان غزالی کہلاتا تھا۔

تعلیم وتربیت

امام صاحب نے فقہ کی کتابیں اپنے شہر ہی میں ایک بزرگ احمد بن محمد راذکانی سے پڑھیں، پھر جرجان جاکر امام ابو نصر اسمٰعیلی کی خدمت میں تحصیل علم شروع کی۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق استاد جن مطالب علمیہ پر تقریر کرتا تھا۔ شاگرد ان کو قلمبند کرتے جاتے تھے اور نہایت احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان لیکچرز کو تعلیقات کہا جاتا تھا چنانچہ امام صاحب نے بھی ان لیکچرز کا ایک مجموعہ تیار کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ وطن واپس آئے اور وہ لیکچرز زبانی یاد کرنے شروع کر دیئے اور اس کو یاد کرنے پر پورے تین برس صرف کر دیئے حتی کہ آپ ان مسائل کے حافظ بن گئے۔ اب امام صاحب کی تحصیلِ علمی کا معیار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ معمولی علماء ان کی تشفی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ تکمیلِ علوم کے لئے نیشا پور کے مدرسہ بیہقیہ میں امام الحرمین ضیاء الدین عبد الملک کی خدمت میں جاکر زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ وہاں آپ نے اتنی محنت اور جانفشانی سے تعلیم حاصل کی۔ کہ تھوڑے عرصہ میں فارغ ہو کر اپنے تمام ہم درسوں سے ممتاز ہو گئے۔

اس اثنائے تحصیل میں آپ فنِ حدیث نہیں سیکھ سکے تھے۔ لہذا اس کی تکمیل کا آخیر عمر میں آیا تھا۔ حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی ایک مشہور محدث تھے۔ وہ اتفاقیہ طوس گئے۔ امام صاحب نے ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور ان سے صحیح بخاری و مسلم کی سند لی۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ابن خلکان تذکرہ امام الحرمین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام الحرمین کے حلقۂ درس میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے ان میں تین شخص سب سے ممتاز تھے۔ (۱) کیا ہراسی (۲) احمد بن محمد خوافیؒ (۳) امام غزالیؒ۔ چنانچہ امام الحرمین کہا کرتے تھے "کہ غزالی دریائے ذخار ہیں۔ کیا ہراسی شیر درندہ اور خوافی آتش سوزاں"

امام غزالیؒ نے امام الحرمین کی زندگی ہی میں بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور صاحبِ تصنیف ہو گئے تھے۔ امام الحرمین ان پر بہت ناز کیا کرتے تھے۔ امام الحرمین کے انتقال کے بعد امام غزالیؒ نیشا پور سے اس شان سے نکلے کہ جملہ ممالک اسلامیہ میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔

آپ کا علمی مقام

امام غزالیؒ نے درسگاہ سے نکل کر نظام الملک کے دربار کا رُخ کیا۔ آپ کی علمی شہرت کے دُور دُور تک پہنچ جانے کے باعث نظام الملک بھی آپ کی شہرت سُن چکا تھا۔ لہذا اس نے آپ کا استقبال نہایت عزت و تکریم سے کیا۔ دربار میں نظام الملک نے مناظرے کی مجالس منعقد کیں۔ مختلف علمی مضامین پر بحثیں ہوتی رہیں، ہر مقدمے میں امام صاحب غالب رہے۔ اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو بہت چمکا دیا۔ ہر طرف ان کا چرچا ہونے لگا۔

نظام الملک نے ان کو نظامیہ میں تدریس کے لئے منتخب کیا امام صاحب کی عمر اس وقت صرف ۳۴ برس تھی۔ اس عمر میں ایسا اعزاز امام صاحب کے سوا کبھی کسی کو حاصل نہیں ہوا[1]۔ مدرس اعظم کے منصب کا مل جانا ایسا بڑا رتبہ تھا کہ جس کے لئے امام ابو منصور محمد بروی جیسے بڑے بڑے اہلِ کمال نے اس آرزو میں اپنی عمریں تمام کر دیں۔ امام غزالیؒ کے درس میں تین سو علماء سین اور ایک سو امراء و رؤساء حاضر ہوتے تھے۔

---

[1] ابن خلکان تذکرہ امام غزالی

ضبط و ترتیب : محمد سعید الرحمٰن علوی

احسن القصص

افادات: حضرت مولانا علامہ نور الحسن صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج، لاہور،

حروفِ مقطعات

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ جب میں نے الٓرٰ کا ترجمہ کرنا تھا تو میں نے دونوں جگہ ایک ہی بات بول دی (یعنی متن میں بھی اور ترجمہ میں بھی) اس کا سبب یہ ہے کہ آپ متعدد بار سماعت فرما چکے ہیں کہ یہ جو حروف مقطعات ہیں جن کو ملا کر نہیں پڑھتے، الگ الگ پڑھتے ہیں الٓمٓ، طٰسٓ وغیرہ ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ مقطعات، مقطعۃ کی جمع ہے۔ اس کا مادہ ق، ط، ع قطع کاٹنا کے معنی میں ہے تو مقطعۃ کی معنی ہیں کٹی ہوئی۔ چونکہ یہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں، جوڑے ہوئے نہیں ہوتے اس لیے ان کو مقطعات کہا جاتا ہے۔ ان کا معنی کسی کو معلوم نہیں ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را زو خبر نیست

صحیح قول اس بارہ میں یہی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جلال الدین تفسیر میں جہاں ان حروف کی تفسیر کرتا ہوتی ہے وہاں مثلاً یہ آئے گا الٓرٰ تو اس کے بعد لکھیں گے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ۔ اس سے کیا مراد ہے اللہ کی اللہ ہی جانتا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک نقطہ بھی پیدا کر دیا۔ انہوں نے، اسی عبارت میں۔ الٓرٰ میں الف اللہ کا ہو گیا اور اعلم میں جو لام ہے وہ ہو گیا اور مراد کی را آ گئی

تو گویا آپ نے عدم واقفیت کا بھی اظہار کر دیا۔ اور ایک معنی بھی بتلا دیا۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ

اس سے کیا مراد ہے اللہ ہی جانتا ہے۔

البتہ لوگوں نے اس میں طبع آزمائی کی ہے۔ کیا مطلب ہو سکتا ہے اس میں؟

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور اگر یہ نقل صحیح ہے تو، کہ یہ اصل میں ہے۔ اَللّٰهُ اَرٰی تو گویا الف الف کی جگہ اللہ کا لام اور ارا کی را ہو گئی۔ میں خدا سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن جمہور کا قول سب سے پہلے بیان کر دیا ہے کہ اس کے معنی کا تعین مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط مفسرین نے الٓرٰ کے نیچے لکھ دیا ہے۔

کتابِ مبین

تِلْكَ آیاتُ الکتاب المبین۔ اس سورت کی یہ جو آیتیں ہیں یہ ایک واضح اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں اور الکتاب المبین سے مراد قرآن کریم ہے۔

سورۂ یوسف کی جو آیات ہیں وہ قرآن کریم جو ایک واضح کتاب ہے اس کی آیتیں ہیں۔ اہمیت بتلانا مقصود ہے کہ یہ جو سورت تم اب شروع کر رہے ہو یا قرآن کی کہیں سے بھی پڑھتے ہو تو اس احساس سے پڑھو کہ تم کسی عام کتاب کی قرأت نہیں کرنے لگے بلکہ یہ قرآن حکیم کی تلاوت ہے جو طہارت جسم کی بھی چاہتی ہے۔ پاکی ظاہر کی بھی چاہتی ہے اور باطن کی بھی۔ یہ واضح اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ "مبین" ابانت سے، ابانت کے معنی ہوتے ہیں واضح کرنے کے، مبین فاعل کا صیغہ ہے۔ واضح کرنے والا، یعنی قرآن حکیم نے جس

مفہوم کو ادا کرنا چاہا۔ جس مدعا کو بیان کرنا چاہا اس میں کسی طرح کا کوئی جھول نہیں۔ بات پوری طرح سے واضح اور روشن ہے۔

قرآن کریم کی اس اہمیت کو بتلانے کے بعد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

القرآن کی حقیقت اور ایک غلطی کا ازالہ

انّا انزلناہ قرانًا عربیًا لعلّکم تعقلون

ہم نے اس کتاب کو اتارا، عربی قرآن کی صورت میں تاکہ تم آسانی سے سمجھ سکو۔ یہاں لفظ قرآن استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق اس پوری کتاب پہ ہوتا ہے۔ قرآن کا مطلب اور معنی کیا ہے؟

اس مہینے میں ۱۲ ربیع الاول کو مجھے ایک محفل سیرت و میلاد میں جانے کا اتفاق ہوا، سمن آباد میں، وہاں ایک ڈاکٹر صاحب وعظ فرما رہے تھے اس میں انہوں نے بتلایا کہ قرآن قرن سے ہے قرن کے معنی زمانہ کے ہیں تو جو قرآن پر ایمان لایا گویا سارے زمانوں پہ ایمان لایا۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ قرآن قرن سے نہیں اور قرن کے معنی زمانہ کے نہیں بلکہ زمانہ کے لیے عربی میں لفظ قرَن (بفتح العین) ہے اور زمانہ کا مادہ ق۔ ر۔ن نہیں بلکہ ق، ر، ء ہے قرء۔ یقرء، قرآۃ و قرآنا۔ قرآۃ ہمارے ہاں عام طور متداول ہے۔ جس طرح قرآۃ کے معنی پڑھنے کے ہیں اسی طرح قرآن کے معنی پڑھنے کے ہیں اور عربی کا قاعدہ یہ ہے۔ جب کسی چیز کے اندر کسی وصف کا کمال پیدا کرنا مقصود ہو تو صیغہ فاعل نہیں لاتے، مصدر استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اگر یہ کہنا ہو کہ زید بڑا منصف ہے بڑا عادل ہے تو یوں نہیں کہیں گے کہ زید عادل بلکہ زید عدل، یعنی زید سرتاپا عدل۔ عدل ہے تو مصدر اسم فاعل کا صیغہ نہیں۔ لیکن کمال اور مبالغہ پیدا کرنے کے لیے مصدر استعمال کرتے ہیں مثلاً یہ کہنا ہو کہ زید بہادر ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ کہیں زید شجاع اور صورت یہ ہے کہ آپ کہیں زید شجاعۃ۔ زید بہادر کیا نری بہادری ہے۔ ایک آدمی روزے بہت رکھتا ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں رَجُلٌ صَوّامٌ۔ رجل صائمٌ۔ اور ایک عربی میں تعبیر ہے رجل صوم وہ آدمی کیا ہے سرتاپا روزہ ہی روزہ ہے، روزہ چھوڑتا ہی نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کا نام مصدر کے ساتھ اس لیے قرار پایا ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ پڑھا جاتا ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ یہ ایسی کتاب نہیں جس کو پڑھا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی کتاب ہے جو سرتاپا پڑھنا ہی پڑھنا ہے۔ سب پڑھتے ہیں ہر دور میں پڑھتے ہیں گویا کثیر القرآۃ ہونے کی وجہ سے اس کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ قرء، یقرء قرأۃ سے ہے ق۔ ر۔ ن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

انا انزلناہ الخ ہم نے اس کتاب کو بصورت عربی قرآن کے نازل کیا ہے، عربی قرآن سے کیا مراد ہے؟ دو مرادیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو قرآن ہے یہ عربی زبان میں ہے اور عربی میں اس لیے نازل کیا کہ جو پہلے مخاطب ہیں ان کی زبان عربی ہے اور وہ سمجھ لیں۔ اور سمجھنے کے بعد دوسروں تک پہنچائیں۔ صرف یہی ایک معنی نہیں۔ بلکہ یہاں عربی کے ایک اور بھی معنی ہیں اور اصل لغوی معنی وہی ہیں۔ وہ آئندہ رس میں۔

دعائے صحت

ملک کے معروف اور نامور خطیب مولانا محمد اجمل صاحب ذیابیطس اور دوسرے عوارضات کے سبب میو ہسپتال سائوتھ وارڈ میں زیر علاج ہیں۔

احباب سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

هفت روزہ خدام الدین کے کلرک جناب غلام مصطفیٰ آزاد کے بڑے بھائی استاد بشیر احمد صاحب کافی عرصہ سے گردوں کے مرض میں مبتلا ہیں۔ قارئین کرام سے دعا کی درخواست ہے۔

(ادارہ)

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لیے دو کتابیں ارسال کریں

تبصرہ باری پر ہوگا

ماہنامہ تذکرہ لاہور

نگران : آزاد شیرازی
مدیر : عبدالرشید انصاری

مقام اشاعت : دفتر ماہنامہ تذکرہ اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور
زرسالانہ۔ گیارہ روپے ؛ فی پرچہ۔ ایک روپیہ

جناب حکیم آزاد شیرازی جہاں ایک اچھے طبیب ہیں وہ منجھے ہوئے سیاسی ورکر اور صحافی بھی ہیں۔ مدتوں سے صحافت و سیاست کی وادی پرخار میں آبلہ پائی کر رہے ہیں اب ایک عرصہ سے عملی سیاست سے تو کنارہ کش ہیں البتہ صحافت کے معاملہ میں "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" پر عمل ہو رہا ہے۔

دوسرے اخبارات و رسائل میں کام کرنے کے علاوہ تقریباً بارہ تیرہ سال سے اپنا ماہنامہ تذکرہ جاری کئے ہوئے ہیں۔ اور اب اس ماہ سے اسی تذکرہ کا دور جدید شروع ہو رہا ہے۔ اب کہ انہوں نے جناب عبدالرشید انصاری کو بہ حیثیت مدیر اپنا رفیقِ سفر بنایا ہے جو بہرحال ایک نیک فال ہے۔

تازہ شمارہ میں جو مئی ۷۶ء کا ہے زیادہ تر مضامین واقعہ بالاکوٹ اور تحریک کے مجاہدین حضرت الامام السید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کے متعلق ہیں۔

لکھنے والوں میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا عبیداللہ انور، حضرت حکیم الامت تھانوی وغیرہ شامل ہیں۔ مضامین بڑے اچھے اور بہتر مستقبل کی نشاندہی کرنے والے ہیں۔

اللہ کرے کہ تذکرہ کا دورِ جدید اہلِ ملک کے لیے باعثِ خیر و برکت ہو۔

تربیت السالک

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند اور شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے انتہائی محبوب خلیفہ تھے۔ انہوں نے دوسری خدمات کے علاوہ تصنیفی میدان میں جو خدمت سرانجام دی ہے اس کی مثال دنیا میں مشکل سے ملے گی۔ ایک ہزار سے زائد کتب ہر فن اور ہر موضوع پر انہی کا حصہ ہے۔ اور بالخصوص سلوک و تصوف میں تو انہوں نے تجدیدی خدمات سرانجام دیں۔

اس سلسلہ میں حضرت والا نے جو کچھ فرمایا وہ مدتوں رسالہ "النور" تھانہ بھون میں چھپتا رہا۔

اس عنوان سے پہلی جلد ۴۲ سال قبل حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کی محنت شاقہ کے بعد شائع ہوئی آپ نے حضرت کے ارشادات طیبات ابواب کی صورت میں مبوب کر کے چھپوائے۔ یہ حصہ تو اب ناپید ہے۔ البتہ حال ہی میں "ادارہ تصنیفات اشرفیہ" قائم ہوا ہے جس کی سرپرستی حضرت تھانوی قدس سرہ کے قدیم مخلصین و متعلقین یا آپ کے خلفاء کے متعلقین کر رہے ہیں۔ اور اس کا مقصد حضرت شیخ کے ارشادات طیبات کی نشر و اشاعت ہے جو بلاشبہ مستحسن اقدام ہے۔ ادارہ نے تربیت السالک کی دوسری جلد کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے یہ جلد بھی حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ کی محنت سے مبوب ہوئی اور اس میں تقریباً ۱۲ سال کی تحریرات شامل ہیں۔ بعد میں اس حصہ کو مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب آف کراچی نے دیکھا اور تعریف فرمائی۔

میرے خیال میں ان ارشادات طیبات کے لیے حضرت تھانویؒ کا نام سب سے بڑی ضمانت ہے۔ اور کے لیے مولانا خیر محمد کا اسم گرامی کافی ہے۔

۴۴۲ بڑے صفحات کی یہ کتاب جس کی کتابت طباعت جلد وغیرہ میں خوش ذوقی کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا ہے۔ چوبیس روپے میں پاک اکیڈمی ۱/۱۴۱ وحید آباد کراچی ۱۸

سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

فلسفۂ نماز

دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ موصوف کو قدرت نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے اور اپنے پیش رو بزرگوں کی طرح علم و فضل سے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے۔

حضرت قاری صاحب تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کے بھی بادشاہ ہیں اور ان کی تقریر حقائق و معارف کا خزینہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر مقامات پر جب وہ تقریر فرماتے ہیں تو ارباب ذوق ان کی تقریریں ضبط کر کے انہیں مرتب کرتے ہیں اور پھر چھپوا دیتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب فلسفہ نماز بھی دراصل موصوف کی ایک تقریر ہے جو آج سے ایک عرصہ قبل مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ پر کی گئی اور بے حد پسند کی گئی۔

یہ تقریر اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اب ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور نے بڑے اہتمام کے ساتھ اسے شائع کیا ہے اور اس کے آخر میں رسالہ آداب نماز جو امام غزالی قدس سرہٗ کا مرتب کردہ ہے شامل کر دیا گیا ہے۔

علم و معرفت کا یہ خزانہ جو ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور اچھی کتابت و طباعت کا آئینہ دار ہے چار روپیہ پینتیس پیسہ میں ادارہ اسلامیات لاہور سے مل سکتا ہے۔

سستی طاقتور غذائیں

تالیف : زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد صاحب

قیمت : ۸/- روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ نور الصحت عبد الکریم روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور

انسانی صحت کے لیے سادہ اور پاکیزہ غذا انتہائی ضروری اور اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں بڑی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ اور حضور علیہ السلام نے ان اللہ طبیب لا یقبل الا طیبًا فرما کر اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں نت نئی بیماریاں انسانی صحت کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں اور پورا معاشرہ بیمار نظر آتا ہے۔ اس کا سبب غذا کے معاملہ میں عدم توازن اور اسلامی ہدایت سے تغافل ہے۔

فاضل مؤلف نے بڑی محنت سے یہ کتاب مرتب کی ہے اور اس میں مختلف النوع غذاؤں سے متعلق تمام تفصیلات سپرد قلم کی ہیں جو بلاشبہ ایک مستحسن اقدام ہے اور ہم اس پر انہیں مبارک پیش کرتے ہیں۔ ملک کے لکھے پڑھے افراد کو چاہیے کہ اس کتاب کو پڑھیں، اس کی ہدایات پر عمل کریں اور ان پڑھوں کو سنائیں اور انہیں بھی ان ہدایات کی پابندی کی تلقین کریں۔ (علوی)

بقیہ : خطبہ جمعہ

نظمیں اور مقالات تو پڑھتے ہیں لیکن اس بات کا ہمیں کبھی خیال نہ آیا کہ جو کام انہوں نے کیے۔ ہمیں بھی انہی کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ آپس میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا عملی ثبوت تھے۔ اسی طرح ہم بھی پیار و محبت، اتفاق و اتحاد سے اپنی زندگی کو سنواریں۔ ہر دوسرے سے اختلاف ختم کر دیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر بنانا چھوڑ دیں تو آج بھی ہم پر صحابہ کرامؓ کی طرح اللہ کی رحمت کی بارشیں اتر سکتی ہیں ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت پر
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ کا سچا غلام اور پیروکار بنائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عربوں کی اسرائیلیوں پر فتح

حاصل ہونے کی قرآنی خوشخبری

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ بین الاقوامی یہودیت کو اپنے بہت سے مقاصد میں توقع سے بھی زائد کامیابی ہو چکی ہے اور اس کے بہت سے وہ منصوبے بروئے کار آگئے ہیں جن کا خواب وہ ہزاروں سال سے دیکھ رہی تھی۔ بہت سی وہ باتیں جو پہلے خواب و خیال اور جنون و پریشان دماغی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں اس آسانی کے ساتھ واقعہ بن چکی ہیں نہ صرف عرب بلکہ یہودی بھی کچھ عرصہ پیشتر اس کا تصوّر کرنے سے قاصر تھے۔

پہلے اسرائیل کی ریاست عالمِ عربی کے قالب و جگر اور اس کے بہترین و مقدس مقامات کے عین وسط میں قائم ہوئی اور عربوں اور مسلمانوں کے سینہ پر کابوس بن کر مسلط ہو گئی۔ اس کے بعد یہودیوں کے بین الاقوامی اثر و رسوخ کی بدولت اس نے اپنے وجود کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ دن بہ دن طاقت پکڑتی گئی اور بالآخر عالمِ عربی کی سب سے بڑی فوجی طاقت (مصر) پر غالب آ گئی اور اس کی ہوائی قوت ختم کر دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہوئی کہ اس نے ۵ر جون کی جنگ میں چند گھنٹوں کے اندر عربوں کی قوتِ ارادی اور قوتِ مدافعت کو سخت نقصان پہنچایا۔ بیت المقدس اور نہر اردن کے مغربی کنارے اور جزیرہ نمائے سینا پر مکمل قبضہ کر لیا۔ سویز اور مصر کے ساحلی شہر ہر وقت اسرائیلی حملہ کی زد میں رہنے لگے۔ شام میں اس نے اندر تک پیش رفت کی اور بہت سے فوجی اہمیت کے مقامات اور پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بعض عرب ممالک کے ہوائی اڈوں کو بڑی جسارت کے ساتھ نشانہ بنایا اور اب وہ پورے عالمِ عربی پر قبضہ جمانے اور حجاز کے مقدس مقامات تک پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔

اسرائیل کے بعض لیڈروں نے کھل کر یہ بات کہی ہے کہ اسلام کے دورِ اوّل میں جن یہودی نو آبادیوں پر قبضہ کر لیا گیا تھا وہ اس پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر بہت سے یہودی یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ان کو دُنیا کی سب سے بڑی طاقت بننا ہے جس کا حکم دُنیا کے تمام صدور مملکت، سربراہانِ حکومت اور وزراء پر چلے گا اور اس طرح وہ خواب پُورا ہو جائے گا جس کا ذکر یہودیوں کی مقدس کتاب تلمود اور حکمائے صیہون کے پروٹوکول میں ملتا ہے۔

اب ہمیں اس پر غور و فکر کرنا ہے کہ کیا یہ صورتِ حال واقعی مستقل اور پائیدار صورت اختیار کرے گی اور صیہونیت کے باقی ماندہ منصوبے بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گے؟ کیا عرب اور مسلمان ان حوصلہ مند یہودیوں کے رحم و کرم پر رہنے کے لیے مجبور ہوں گے۔ کیا ان کی رسی اتنی دراز کر دی جائے گی اور ان کو اسی طرح پے در پے کامیابیاں حاصل ہوتی جائیں گی کہ بالآخر ساری دُنیا پر ان کا تسلط قائم ہو جائے گا۔ ان کے تمام منصوبے اور مقاصد پورے ہو جائیں گے اور ان کا فلسفۂ حیات اور افکار و نظریات ساری دُنیا میں پھیل جائیں گے کیا انسانیت کی زمامِ قیادت ان کے حوالہ کر دی جائے گی؟ اور وہ اس طرح اس کی رہنمائی و قیادت کرنے لگیں گے جس طرح تاریخ کے بہت سے دوسرے مذاہب کی تہذیبوں اور دعوتوں نے اپنے اپنے وقت پر کی تھی۔

ہم اس وقت تک اس سوال کا فیصلہ کُن اور قطعی جواب نہیں دے سکتے جب تک کہ ہم اس عجیب و غریب اور بیکراں کائنات پر ایک نظر نہ ڈال لیں۔ اس کے خالق

وپروردگار کے اسماء و صفات، افعال و ارادوں اور اُس کے قوانینِ فطرت و اصولِ قدرت کا مطالعہ نہ کریں اور انسانی تاریخ کے تجربوں اور اہم واقعات کو اپنی نظر کے سامنے نہ رکھیں۔

ہم اس سوال کا اطمینان بخش جواب اُسی وقت دے سکتے ہیں جب نسلِ انسانی کی صلاحیت، انسانی خمیر میں خیر و شر کی آمیزش، بنی نوع انسان کا مستقبل اور اُس کائنات کی تقدیر اور قوانینِ فطرت ہماری نظر کے سامنے ہوں اور ہمارے ذہن میں اُن کا واضح اور معین تصور موجود ہو۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ خالقِ کائنات نے اس کائنات اور اس سیارہ کو جس پر ہم رہتے ہیں صرف فساد و تخریب، خونریزی و دہشت پسندی ظلم و سنگدلی، حیوانیت و بربریت، سازشوں اور مکر و فریب کے لیے پیدا کیا ہے اور اُس نے اس دنیا کے لیے یہ سارا اہتمام و انتظام (جو اس کے ہر شعبہ کے حسن و جمال، ترتیب و توازن اور اعجاز سے ظاہر ہے اور جس میں انبیاء کی بعثت، کتبِ سماویہ کا نزول، وحی و الہام، صالحین و صادقین کی نصرت، خیر پر شر اور فساد پر صلاح و فلاح کا غلبہ سب چیزیں شامل ہیں) صرف اس لیے کیا ہے کہ اس پر ایک ایسے عنصر کا تسلط ہو جائے جو کسی زمانے میں انبیاء کی طرف منسوب سمجھا جاتا تھا اور جس کی رگوں میں اُن کے خون کے چند ایسے ذرے شامل ہیں جس کو آج خوردبین سے بھی دیکھنا مشکل ہے اور جس کی حقیقت تک رسائی، ریاضی کی مدد سے بھی ناممکن ہے۔ اُس نے اس کائنات کا پورا نظام اس لیے قائم کیا ہے کہ ایک نسل جو اپنے کو خدا کی پسندیدہ اور برگزیدہ قوم کہتی ہے اور اپنے کو مقدس الٰہی خاندان کے افراد کہتی ہے، ساری طاقتوں، سارے ذخائر اور دولتوں پر قابض ہو جائے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ خاندان وہ واحد انسانی نسل ہے جن کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتوں اور طاقتوں سے مالا مال کر دیا ہے اور ہر قسم کی ذہانت، اعلیٰ دماغی اور ہر قسم کا کمال صرف اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی تمام نسلیں جن سے دُنیا آباد اور بزمِ عالم قائم ہے وہ آٹے کے پوکر کی طرح حقیر و بے قیمت ہیں اور ہر طرح کی اہلیت و صلاحیت، ایجاد و اختراع کی قوت اور مختصر یہ کہ تمام عطیاتِ خداوندی سے یکسر محروم ہیں تو ہمیں یہ بات یقیناً تسلیم کر لینا چاہئے کہ صرف اسی نسل کو بنی نوع انسان پر حکمرانی کا حق حاصل ہے اور دوسری تمام نسلیں و اقوام اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ ان کو جانوروں کے ریوڑ اور بھیڑوں کے گلہ کی طرح ہانکا جاتا رہے۔ اس ناز پروردہ اور محبوب اولاد اور ان وہبی پیدائشی خوش نصیبوں کے سوا جتنے لوگ بھی ہیں وہ شطرنج کے ان مہروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جن کو یہ معزز اور ذہین یہودی بڑی قدرت و مہارت کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑاتے اور ان سے کھیلتے رہتے ہیں۔ خود ان کو اپنے مستقبل کی تعمیر اور زندگی کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح یہ فرض کر لیں کہ انسانی فطرت اصلاً بد ہے اور تعمیر کے مقابلہ میں تخریب کو اور اصلاح کے مقابلہ میں فساد کو پسند کرتی ہے۔ ہر چیز کو بدگمانی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ساری دُنیا سے بیزار اور برسرِ پیکار ہے۔ ماضی و حال دونوں سے برگشتہ ہے۔ وہ ہر وقت بغاوت اور انتقام، نفرت اور کینہ کی آگ میں جلتی رہتی ہے اور اپنے سینہ میں ہر قسم کی قدیم و جدید عداوتوں کا ذخیرہ رکھتی ہے۔ اور ہر صنعت و تعمیر اور ہر تہذیبی ورثہ اور تمدنی دولت کے صرف کمزور پہلو کو دیکھنے کی عادی ہے۔ اپنے سوا سب کو حقیر سمجھتی ہے۔ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہے اور اس کی نگاہ میں عزت و شرافت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مادہ پرستی کے سوا اس کا کوئی مطمح نظر نہیں اور سفلی جذبات کی تسکین و تکمیل کے سوا اس کا کوئی مشرب و مسلک نہیں۔ وہ فتح کے وقت ظلم و بربریت کی آخری حد پر ہوتی ہے اور ہزیمت کے بعد بزدلی کے آخری کنارے پر۔ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل کو استعمال کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اپنے عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے اس کو ذلیل سے ذلیل عمل، بڑے سے بڑے ظلم،

پست سے پست اخلاق اور آخری وجہ کے نفاق سے کوئی عار نہیں ہوتا۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیں کہ تاریخ سازی تہذیب و تمدن کی تشکیل، انسانیت کی فلاح اور اقوامِ عالم کی سیاست و تدبر کا واحد تعمیری اور حقیقی محرک اور طاقتور و مؤثر عنصر صرف مکر و فریب، جرائم پسندی تخریبی ذہانت ہے اور تہذیب و تمدن کا یہ درخت صرف فساد فی الارض، ضمیر اور خاندانی مظالم کے خاتمہ، بے حیائی و بے قید زندگی کی تبلیغ و اشاعت اور بغاوتوں اور سازشوں کے ذریعہ برگ و بار لا سکتا ہے۔

اور وہ واحد ذریعہ اور وسیلہ جو اقوام کی تقدیر کو ڈھالتا ہے اور دُنیا کے تمام انقلابات ہیں کار فرما نظر آتا ہے اور تاریخ کا رُخ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دراصل وہ خفیہ ہاتھ ہے جو سازش کا جال پھیلاتا ہے اور وہ سب سے بڑی طاقت جس پر اعتماد ممکن ہے بد عہدی، دھوکہ بازی، محسن کشی اور اعلیٰ درجہ کی رذالت اور کردار کی پستی و گندگی ہے اور خُدا کو سب سے زیادہ پسندیدہ شئے جو فتح و کامرانی کی شرط اور انسانیت کی فلاح اور خوشحالی کی بنیاد ہے۔ وہ "تکبر" اور خود غرضی ہے۔

(قرآن مجید ہیں ان یہودیوں کے لیے 'مغضوب علیہم' کا لفظ دراصل اسی لیے استعمال کیا ہے۔ یہ وصف سورہ فاتحہ ہیں ہے جو بار بار پڑھی جاتی ہے۔ اس بلیغ جملہ کا صحیح ذوق وہی لے سکتا ہے اور یہودیوں پر اس کے ٹھیک ٹھیک انطباق کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جو یہودیوں کے قومی خصائص اور اُس کردار سے واقف ہے جو انہوں نے انسانیت کی تاریخ ہیں ادا کیا ہے۔)

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ انسانیت کا چہرہ ہمیشہ سے سیاہ اور داغدار ہے اور امن و سکون، انسانی اخوت، ہمدردی و انسانیت اس کی تقدیر میں نہیں بلکہ اس کی قسمت ہیں یہ لکھا ہے کہ ایک جنگ سے دوسری جنگ، ایک المیہ سے دوسرا المیہ، ایک بد نصیبی سے دوسری بد نصیبی، ایک بغاوت سے دوسری بغاوت کے درمیان ہچکولے کھاتی رہے یہاں تک کہ اس جہنم میں جا پڑے جو غیظ و غضب، کینہ و حسد، اغراض و ہوس اور نفرت و عداوت کی ایندھن سے بھڑک رہا ہے۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ اس دُنیا ہیں رسالت و ہدایت کا کوئی قصہ ہی سرے سے موجود نہیں ہے۔ "یہاں نہ عقائد و مبادی کا کوئی سوال ہے نہ قلب و ضمیر کا کوئی مسئلہ۔ نہ اخلاق و فضائل کی کوئی ضرورت، نہ خُدا کی پسندیدہ شریعت اور نہ نظامِ زندگی کی کوئی حاجت، یہاں صرف ایک ہی حقیقت کار فرما ہے اور صرف اس کو زندہ اور باقی رہنے کا حق ہے اور وہ ہے نسل و خاندان کی برتری، آبا و اجداد کا خون، پُرانی روایات، نفرت و انتقام، کینہ و حسد، عظمت رفتہ کے حصول کی کوشش اور اپنے پرائے علاقوں کو واپس لینے کی ہوس، مہم پسندی اور ہوس ملک گیری کی تسکین اور اپنے جذبۂ حرص و طمع کی تشفی و تسلّی۔

اگر ہم ان تمام مفروضات کو تسلیم کر لیں اور یہ ساری باتیں مان لیں تو پھر اس ہیں یقیناً شبہ نہیں کہ یہودی انسانی قیادت اور غلبہ و کامرانی اور اقتدار و تسلط کے جائز اور موزوں امیدوار ہیں اور ان کو ابتدا سے اسی کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حالات اسی طرح برقرار رہیں گے اور یہودیوں کی ہوس ملک گیری اور اپنی سرحدوں کو بڑھاتے رہنے کی پالیسی کامیاب ہوگی اور اُن کے لیے کوئی چیز سنگ راہ نہ بن سکے گی اور اُن کے تمام شیطانی منصوبے ایک ایک کر کے پُورے ہو جائیں گے۔ یہی وہ حقیقی تصویر ہے جو ہمیں یہودیوں کے عہدِ قدیم بائیبل ہیں تلمود ہیں حکمائے صیہون کے پروٹوکولز ہیں، اس کے لیڈروں کی تقریروں ہیں، اُن کے جلسوں کی کارروائیوں ہیں بلکہ خود ان کے عملی اقدامات ہیں ملتی ہے۔ خاص طور پر اس جنگ کے بعد یہ تصویر اُبھر کر زیادہ سامنے آ رہی ہے۔

لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پوری تصویر کینہ پروری اور حقارت کی تصویر ہے۔ یہ جن رنگوں سے تیار ہوئی ہے اس ہیں یہ چیزیں شامل ہیں۔ انسانیت سے قدیم بغض و عداوت، یہودی نسل کے تقدس پر ایمان کامل اسرائیلی خون کی عبادت و پرستش کی حد تک عظمت اور تاریخ انسانی کے ہر دَور اور روئے زمین کے

ہر گوشہ میں بقیہ انسانی نسلوں اور قوموں کو ہر اہلیت و صلاحیت سے محروم سمجھنا پوری دنیا پر تسلط حاصل کرنے کا منصوبہ، شر و فساد کا طبیعت ثانیہ اور افتادِ طبع بن جانا، تشدد اور وحشت انگیزی کا قومی خصائص اور موروثی عادتوں کا درجہ اختیار کر لینا۔

یہ تصویر یہودیوں کی تاریخ کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح مزاجِ انسان کے ساتھ یہ سائے کی طرح ہر وقت اور ہر جگہ ان کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ سازش اُن کی تاریخ کی سب سے بڑی بنیاد اور اُن کے نظامِ زندگی کا سب سے بڑا ستون ہے۔ یہ وہ محور ہے جس کے گرد ان کی ساری ذہانت اور کاوش گھومتی ہے۔ یہی وہ دماغ اور وہ خفیہ ہاتھ ہے جو ہر بغاوت، انقلاب، تخریبی نظریات، سازش، تباہ کن فلسفوں اور ہر قسم کی بے چینی، اضطراب، انارکی اور ہر طرح کے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی بحران کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ ایک ممتاز یہودی مفکر ڈاکٹر آسکر لیوی نے اپنے اس جملے میں اس قوم کی ساری تصویر کھینچ دی ہے۔ وہ یہودیوں کے کردار پر فخر کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"ہم ہی دنیا کے حاکم اور مفسد ہیں۔ ہم ہی تمام فتنوں کو ہوا دیتے ہیں، ہم ہی جلاد ہیں۔"

یہودیوں کے پاس اُن کی زندگی کے کسی دور میں کوئی عالمی پیغام نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون اور نسل کی تقدیس اور ہر قسم کی فوقیت و برتری، پاکیزگی اور روحانی ترقی کی صلاحیت اور قربِ خداوندی کو ایک نسل اور برادری کے ساتھ مخصوص سمجھنے کا عقیدہ عالمی پیغام کی روح اور اسپرٹ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس طرح مساواتِ انسانی، اخوت و برادری اور ترقی کے مواقع میں یکسانیت اور وحدتِ انسانیت کا انکار، عالمی پیغام اور آفاقی دعوت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ خون و نسل کی تقدیس اور ہر قسم کی ذہانت و اعلیٰ دماغی اور عظمت و برتری کو صرف ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص سمجھنے کا مزاج نسلِ انسانی پر شفقت کے بالکل منافی ہے۔ روئے زمین کی دوسری اقوام اور پوری انسانیت کو اپنے دعوت و پیغام میں شریک کرنا اور اپنے علم صحیح و عمل صالح اور اخلاق فاضلہ میں ان کو حصہ دار بنانا اس مزاج کے ساتھ کبھی جمع ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ مزاج ہدایت و دعوت کا دائرہ قدرتی طور پر تنگ کر دیتا اور اس کو ایک نسل اور عنصر میں محدود کر کے سر بہ مُہر کر دیتا ہے اس لیے اس کی ترویج و اشاعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی مذہب کسی دور میں انسانیت عامہ کا مذہب نہ بن سکا اور نہ یہودی اپنے مذہبی صحیفوں کی روشنی میں، تبلیغ رسالت کے کبھی مکلف ہی کئے گئے۔ بلکہ ان کی مذہبی کتب میں ایسے نصوص موجود ہیں جو ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ سے باز رکھتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی نکلنا چاہیئے تھا کہ وہ بنی اسرائیل اور دوسری اقوام کے درمیان برابر امتیازی سلوک کرتے رہیں۔ خیر و شر اور گناہ و ثواب کے صرف اس معیار اور پیمانے پر ایمان رکھیں جو نسل اور قوم کے ساتھ بدلتا رہتا ہو اور ان کو دوسری قوم کے ساتھ بڑی سے بڑی نا انصافی جرم اور ظلم سے عار نہ ہو۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ

پ۳۔ سورہ آل عمران آیت ۷۵ (ترجمہ) ان کا یہ طرزِ عمل اس بنا پر ہے کہ انہوں نے کہا نہیں ہے ہم پر اُمیوں کے حق لینے کے بارے میں کوئی گرفت۔

ان تمام حقائق کے پیش نظر یہ بات بالکل قدرتی اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ وہ تمام قومیں اور نسلیں جو یہودیوں کے اقتدار و تسلط میں ہیں اُن کی کھلی ہوئی نا انصافی و حق تلفی اور سخت ترین مظالم کا شکار ہوں اس لیے کہ وہ ان اقوام کو اپنے برابر کی قوم اور ایک شریف اور با عزت انسانی نسل اور انسانی مجموعہ کی حیثیت سے نہیں دیکھتے وہ ان کی نظر میں بے جان جمادات یا بے زبان حیوانات سے زیادہ قیمت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ اس کی لاڈلی اولاد کی خدمت گزاری کرتے رہیں۔

لیکن وہ فطرت سلیم جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کی ہے وہ پیغام جو مذاہب اور آسمانی صحیفوں میں ملتا ہے اور جس میں سب سے زیادہ خدا کے عدل و

انفس، آفاق، حکمت اور قدرت کا بیان ہے اور جس
میں ان عجیب و غریب، متوازن اور منظم کائنات کی
تخلیق کا مقصد اور نسلِ انسانی کی پیدائش اور اس کو
خلافتِ الٰہی سے سرفراز کرنے کا راز بیان کیا گیا ہے۔

اس راز کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ اس طرح
اللہ تعالیٰ نے اشیا میں جو خواص رکھے ہیں اور اقوام
کے عروج و زوال، حکومتوں کے قیام اور سقوط،
تہذیبوں کی ترقی اور پسپائی اور فتح و ناکامی کے جو
قوانین مقرر فرمائے ہیں اور تمام مذاہب فطرتِ سلیم
رکھنے والے انسانوں نیز عقلِ انسانی نے جس طرح متفقہ
طور پر اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ صرف ایک نسل،
ایک قوم، ایک خاندان اور ایک ملک یا شہر کا رب
نہیں ہے بلکہ سب کا معبود اور رب ہے۔ سب کا
مالک و پروردگار ہے۔ اس کی روشنی میں یہودیت
کا یہ فلسفہ خود بخود غلط ٹھہرتا ہے۔ اس کے علاوہ
تاریخِ انسانی کی یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ اقوام اس
پیغام اور نصب العین اور ان فضائل و صفات کے
ساتھ زندہ رہتی ہیں۔ جن میں وہ دوسروں سے فائق
ہوں۔ ان کی بقا و ترقی کا راز اسی افادیت اور
بقاءِ انفع کے قانون میں مضمر ہے جو پوری کائنات میں
جاری و ساری ہے جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان
کیا گیا ہے:-

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ
فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ

سورہ الرعد۔ آیت ۱۷، پارہ ۱۳

(ترجمہ) سو وہ جھاگ سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور وہ
جو کام آتا ہے لوگوں کے، سو وہ زمین پر باقی رہتا
ہے۔ اس طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔

یہ باتیں حتمی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ یہودی جو ان
تمام حقائق کو چیلنج کر رہے ہیں اور خدا کی سنتِ فطرت
قوانینِ قدرت اور ان اعلیٰ مقاصد کے ساتھ برسرِ جنگ
ہیں جن کے لیے اس نے یہ پوری کائنات پیدا کی۔ نسلِ
انسانی کو وجود بخشا اور اس کے اندر خیر و صلاح، ترقی
و بقا کی خواہش اور جذبہ پیدا کیا۔ زیادہ دن تک اس
اقتدار و تسلط اور فتح و ظفر [illegible]
ان کو ان تمام آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا موقع بھی حاصل
نہ ہوگا اور [illegible] تخریبی سطحی اور [illegible]
پیوستہ نہ ہو سکیں گے خواہ ان کی حمایت کے لیے ہزاروں
فوجیں اکٹھی کھڑی ہوں اور ان کی پشت پر دنیا کی تمام
بڑی طاقتیں جمع ہو جائیں اور ان کے پاس وہ تمام شیطانی
حربے اور جنگی وسائل اکٹھے ہو جائیں جو اب تک ایجاد
ہو چکے ہیں اور جن میں خود ان یہودیوں کا بنیادی حصہ
ہے۔ اور جو ان کا خاص فن اور موضوع ہے۔

(نوٹ) احادیث نبوی کے مطالعہ سے (جو حدِ تواتر کو پہنچ
چکی ہیں) یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہودی فلسطین
میں اقتدار و تسلط کے پورے طور پر مالک ہو جائیں گے
پھر ان میں دجّال پیدا ہوگا اور وہ اپنے اس اختیار و
اقتدار اور اختیار و تصرف کا آخری رمز و نمونہ ہوگا۔
اور وہ اپنے اس اختیار و اقتدار کا مظاہرہ بھی کرے گا
سارے یہودی ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ پھر مسلمان ان پر
غالب آئیں گے ان سے قتال کریں گے۔ ہر چیز یہودیوں
کی دشمن ہو جائے گی یہاں تک کہ پتھر بھی ان کی مخبری
کریں گے۔ علمائے اہلِ سنت تیرہ سو برس سے آثارِ
قیامت کے باب میں ان احادیث پر غور و خوض کرتے
رہے ہیں۔ اس وقت یہ باتیں عالمِ اسباب اور واقعات
کے لحاظ سے بہت بعید بلکہ محال اور ناقابلِ فہم تھیں۔
اس لیے کہ اس پورے عرصہ میں یہودی ساری دنیا میں
پراگندہ اور منتشر رہے۔ یہاں تک کہ اس صدی کے
نصف میں یہ نبوی پیشین گوئی ظاہر ہونا شروع ہوئی۔
فلسطین میں یہودیوں کے لیے قومی وطن کے قیام کی تجویز
سامنے آ گئی۔ اس کے بعد وہ سب کچھ پیش آیا جو اب
کسی سے مخفی نہیں۔ اب پیشین گوئی کے آخری حصہ کو
بھی پورا ہونا ہے جس طرح اس کا پہلا حصہ پورا ہو چکا
ہے، یہ نبوت کے ان معجزات میں سے ہے جس کا کچھ
حصہ صبح کی طرح روشن ہو چکا ہے اور باقی بھی اسی
طرح ظاہر اور روشن ہونے والا ہے۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ
مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ

غلبہ اور فتح انشاء اللہ اہلِ حق کی اور انسانیت

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

انتخاب لاجواب

خطیبِ اسلام مولانا محمد اجمل صاحب

عطائے تو بہ لقائے تو

قاضی بکار بن قتیبہ مصر کے مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ کے استاد ہیں اور انہوں نے شرح معانی الآثار میں متعدد حدیثیں آپ کی سند سے روایت کی ہیں۔ ان کے زمانے میں احمد بن طولون مصر کے حکمران تھے۔ اور وہ بھی قاضی بکار کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ابن طولون قاضی بکار سے درسِ حدیث لینے کے لئے خود ان کی مجلس میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کا دستور تھا پہلے مسجد کے قریب پہنچ کر لوگوں سے کہہ دیتا کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ اس کے بعد ابن طولون پیچھے سے آکر بیٹھ جاتے اور عام طلباء کی صف میں بیٹھ کر حدیث کا درس لیتے تھے۔ ایک زمانہ تک ابن طولون اور قاضی بکار کے تعلقات بہت خوشگوار رہے اور اس عرصہ میں احمد بن طولون قاضی صاحب کی تنخواہ کے علاوہ ان کی خدمت میں سالانہ ایک ہزار دینار بطور ہدیہ پیش کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک سیاسی مسئلہ میں قاضی صاحب اور احمد بن طولون کا اختلاف ہو گیا۔ ابن طولون چاہتے تھے کہ وہ اپنے ولی عہد کو معزول کر کے کسی اور کو ولی عہد بنائیں اور قاضی صاحب سے اس کی تصدیق کرائیں۔ قاضی صاحب اسے درست نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ سے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابن طولون نے قاضی صاحب کو قید کر دیا۔ اور یہ پیغام ان کے پاس بھیجا کہ جتنے دینار آپ کو بطور ہدیہ دیئے گئے ہیں۔ وہ سب واپس کیجئے۔ سالانہ ایک ہزار دینار دینے کا سلسلہ اٹھارہ سال سے جاری تھا۔ اس لئے مطالبہ کا مطلب یہ تھا کہ ۱۸ ہزار دینار فوراً واپس کئے جائیں۔ ابن طولون سمجھتے تھے کہ یہ مطالبہ قاضی صاحب کو زچ کر دے گا۔ لیکن جب پیغام ان کے پاس پہنچا تو قاضی صاحب کسی تردد کے بغیر اندر تشریف لے گئے اور گھر سے اٹھارہ تھیلیاں نکال کر لائے جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک ہزار دینار تھے۔ یہ تھیلیاں ابن طولون کے پاس پہنچیں تو اس نے دیکھا کہ یہ بعینہ وہی تھیلیاں تھیں جو قاضی صاحب کے پاس بھیجی گئی تھیں اور ان کی مہریں تک نہیں ٹوٹی تھیں۔ ابن طولون یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قاضی بکار رحمہ نے ان میں سے ایک تھیلی بھی کھولی نہیں تھی۔ بلکہ اسے جوں کا توں محفوظ رکھ لیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قاضی بکار نے اسی خیال سے انہیں استعمال نہیں کیا تھا کہ امیر سے بلاشبہ اس وقت تعلقات اچھے ہیں لیکن کبھی اختلاف پیدا ہوا تو انہیں جوں کا توں لوٹایا جاسکیگا۔ ابن طولون قاضی بکار کی یہ بلندیٔ کردار، ذہانت و حکمت اور استغنا کی نرالی شان دیکھ کر شرم سے عرق عرق ہو گیا۔

(ابو محاسن بن تغری بردی: النجوم الزاہرۃ فی اخبار ملوک مصر و القاہرہ)

صفحہ ۱۹ جلد ۳

ہیبت ناک آنکھ کا عبرتناک انجام

الذہبی نے مختصر دول اسلام میں نقل کیا ہے کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ جب سخت بیمار ہوا خادم خاص جو الواثقی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا بیان ہے کہ خلیفہ کی تیمارداری مجھ ہی سے متعلق تھی جب خلیفہ کی حالت خراب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی ہے میں نے محسوس کیا کہ وہ ختم ہو گیا ہے جو لوگ پاس اس وقت تھے۔ ان کو بلایا اور ایک نے دوسرے سے اشارہ کیا کہ واثق کے پاس جا کر دیکھا جائے کہ روح پرواز کر چکی ہے یا ابھی کچھ رمق باقی ہے لیکن کسی کی ہمت نہ

پھڑتی تھی آنحضرت ہی دل کو مضبوط کر کے آگے بڑھا
ہی تھا کہ آہستہ سے اس کی ناک پر سانس کا پتہ چلانے کے
انگلی رکھی کہ اچانک واثق نے آنکھیں کھول دیں۔ اور انگلی
اللہ کو پکارا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا اس وقت حضرت
امام جعفر صادقؒ نے ارشاد فرمایا کہ اسم اعظم یہی نام
مبارک اللہ اللہ ہے۔ بشرطیکہ اسی طرح دل سے
نکلے جیسا ابھی ڈوبتے وقت تیری زبان سے نکلا تھا
(تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۶ ج ۲)

یاجوج ماجوج کو معرفت باری تعالےٰ

ایک مرتبہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ تھا۔ حضرت مولانا اشرف علیؒ نے دریافت کیا کہ حضرت یاجوج ماجوج حق تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں یا بالکل جاہل ہیں۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا جانتے کیوں نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب انشاء اللہ کہیں گے تو اگلے دن دیوار کو چاٹ کر باہر نکل آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۷۱ ج ۲)

بقیہ: عربوں کی ۔۔۔۔

کے لیے عمومی اور ابدی پیغام رکھنے والی ملت ہی کی ہو گی جس کی شفقت میں پوری انسانیت کا حصہ ہے اور جس کی نظر میں ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے جو حق کے لیے ہر جگہ سینہ سپر ہو جاتی ہے اور ظلم کا مقابلہ ہر موقع پر اور ہر شکل میں ہر جگہ کرتی ہے جو انسانیت کی خدمت کے لیے زندہ ہے اور انسانیت کے ساتھ ہی وابستہ ہے جس کا دامن فتنہ و فساد سے پاک ہے اور جو دنیا میں علو و فساد کی نہیں، حق و انصاف کی علمبردار ہے۔

(ماخوذ از رسالہ الفرقان لکھنؤ ماہ محرم ۱۳۸۹ھ)

بقیہ: حضورؐ کی خوراک

پسند و عادات اس امید پر نقل کر دیے ہیں کہ شاید ہم میں سے کسی بھائی کو ان مقدس اور پاک ہستیوں کے اتباع کی توفیق ہو جائے اور پھر وہ بھی اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق اللہ کے دین کا پیغام گھر گھر پہنچانے کے لیے ہر مصیبت اور دکھ تکلیف کو بخوشی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔